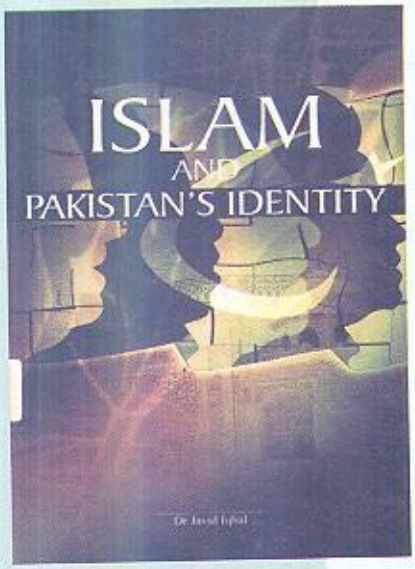

شناخت کا تعین ثقافتی اور معاشرتی اقدار سے ہوتا ہے

انٹرویو: ڈاکٹر سید ناصر زیدی

ڈاکٹر جاوید اقبال

آپ کی کتاب Islam and Pakistan's Identity میں مرکزی خیال کیا ہے اور آپ اس کتاب میں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

مرکزی خیال یہی تھا کہ پاکستان کی شناخت اگر اسلام کی بنیاد پر متعین کرنی ہے تو وہ اسلام کی کون سی تعبیر ہو سکتی ہے۔ یہ مسلم ہونا، پاکستان کے حوالے سے اس طرح کا مسلم ہونا نہیں ہے جو اسلام کا روایتی تصور ہے۔ یہ تقلیدی اسلام نہیں ہے بلکہ اجتہادی سوچ ہے، مثال کے طور پر مغرب سے جو چیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک نیشنلزم ہے، علاقائی اعتبار سے نیشنلزم کا تصور اسلام میں موجود نہیں ہے اور نہ تھا۔ علاقائی تصور کو ہم نے اسلامائز کیا ہے۔ یہی اجتہاد ہے جس کی بنیاد پر ہم نے پاکستان بنایا ہے۔ اس سے پہلے جنوبی ایشیا میں دو تحریکیں چل چکی ہیں۔ اسلام کے نام پر ایک تو وہابی تحریک کہ یہ دارالاسلام نہیں رہا لہٰذا جہاد کرو یا ہجرت کر جاؤ، ہجرت کرنا ممکن نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے جہاد کیا اور پھر اس کے نتیجے میں انگریز نے ہم پر مظالم ڈھائے۔ ہندو تو انگریز کی گود میں بیٹھ گیا جبکہ صرف کلرک کی حیثیت سے زیادہ سرکاری دفتر میں کسی بھی مسلمان کو نوکری نہیں ملی تھی۔ سرسید نے انگریز کے ساتھ دوستی کرائی جس کی وجہ سے وہ معتوب قرار پائے۔ اس کی وجہ سے سو سال کا فاصلہ پڑ گیا اور اس تقلیدی اسلام کی وجہ سے ہم پیچھے رہ گئے۔ جو بھی روایتی اسلام کے نام پر یہاں تحریک چلی ہے وہ ناکام ہوئی۔ دوسری خلافت تحریک ہے جو بری طرح سے ناکام ہوئی ہے۔ اس نے شراکت اقتدار کا کوئی فارمولا طے کئے بغیر ہندوؤں سے اتحاد کر لیا۔ دونوں جگہ پر عقل استعمال نہیں کی گئی۔ مسلمان آج بھی اس لئے مار کھا رہا ہے کہ عقل استعمال کرتا ہی نہیں، صرف جذبات پر چلتا ہے۔ اب جو پاکستان کی تحریک شروع ہوئی تو دیکھیں سب سے پہلے کس طرح کے سیکولر تصور کو اسلامائز کیا گیا۔ مغرب میں سیکولرازم آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بائبل میں اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ پھر مارٹن لوتھر کے ذریعے جو اصلاحی تحریک چلی اس کے نتیجے میں معاملات کے باب میں مذہب کا عمل دخل ختم کر دیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اخلاقی اقدار تبدیل ہوتے رہتے ہیں لہٰذا قوانین بھی حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے چاہئیں۔

کلیسائی اقتدار کا کہنا تھا کہ بائبل کے قوانین مقدس ہیں انہیں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اب میرا موقف یہی ہے کہ اجتہادی سوچ کے بغیر اسلام زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ ہم صرف اسلام کا نام لیتے ہیں، ہم حقیقی معنوں میں مسلمان ہی نہیں۔ اسلام کی تعزیرات پر اجتہاد کیوں نہیں ہوتا، چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا صرف سعودی عرب میں ہے، انہوں نے اجتہاد کیا ہوگا۔ باقی اسلامی ممالک میں اس مسئلے پر اجتہاد کیا ہی نہیں گیا۔ میری یہ سوچ ہے کہ اجتہاد کے دو طریقے ہیں ایک تو آپ قدیم تعبیر اس طرح کریں کہ وہ جدید تقاضوں کے مطابق ہو جائے جیسے مسلمانوں نے تصور قومیت کی تعبیر کی۔ علامہ اقبال پر بھی یہی اعتراض کیا گیا کہ ایک طرف تو وہ قومیت اور وطنیت کے خلاف ہیں دوسری طرف دونوں چیزیں اسلام کے نام پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اقبال کا مقصد صرف پاکستان ہی نہیں تھا بلکہ اسلامستان تھا۔ اس طرح اگر اسلامی ممالک الگ الگ مسلم ریاستیں بھی بناتے ہیں تو بھی ان کو متحد ہونا چاہیے تاکہ ایک ریپبلک بن سکے۔

اجتہاد کی بنیاد پر جب آپ شناخت کی بات کرتے ہیں تو کیا ہم سیکولرازم کی طرف نہیں چلے جائیں گے؟

جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک تو اجتہاد کا وہ طریقہ کار ہے جس کے تحت ماضی کی چیزوں کو وقت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ گزشتہ احکام کو عوامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ یہ اقبال کا طریقہ ہے جبکہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ انقلابی راستہ اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس کے سوا آپ کے پاس چارہ ہی کوئی نہیں ہے۔ تعزیرات اسلام کے سلسلے میں مولانا شبلی فرماتے ہیں، جب نبی کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو تعزیرات کے سلسلے میں وہ اس قوم کے عادات و خصائل کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی طرح وحی بھی آجاتی ہے تو آئندہ نسلوں پر ان تعزیرات پر سختی سے اطلاق نہیں ہونا چاہیے لیکن علماء اس کو قبول نہیں کرتے، یہ ایک انقلابی تصور ہے کیونکہ انسانی وقار یا Human dignity تبدیل ہو چکی ہے۔ انسانی حقوق کا تصور بدل چکا ہے۔ اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ اجتہادی سوچ انقلابی ہو۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں (چوری کی) سزا کو معطل کر دیا کیونکہ اضطرار کی کیفیت تھی، اس کا مطلب ہے کہ آپ اضطرار کے تصور کو مزید وسیع بھی کر سکتے ہیں۔

یعنی اس میں انسانی حقوق اور انسانی وقار کے مسئلے کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے؟

بالکل کیونکہ انسانی نفسیات پورے کی پوری بدل چکی ہے۔ جہاں تک اسلامی شناخت کا مسئلہ ہے تو پہلے یہ طے کریں کہ کیا اسلام کسی خاص زبان پر تاکید کرتا ہے؟ کیا اسلام کسی خاص لباس پر زور دیتا ہے۔ شناخت آپ کے ثقافتی اور معاشرتی اقدار کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کا کوئی لباس نہیں ہے، اسلام کی کوئی زبان نہیں ہے یا کسی خاص نسل پر زور نہیں دیتا ہے، جن چیزوں کو ہم نے اپنی شناخت کا حصہ بنا لیا ہے، وہ ہماری شناخت

نہیں ہیں۔ یہ جو سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں کا مسئلہ ہے یہ تو ہماری شناخت کا حصہ ہے ہی نہیں۔ گنبد کا تصور بھی رومن تصور ہے، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مینار بھی جو ہم لوگ بناتے ہیں یہ بھی ہماری روایت کا حصہ ہے۔ اسلام ان چیزوں میں مداخلت نہیں کرتا۔

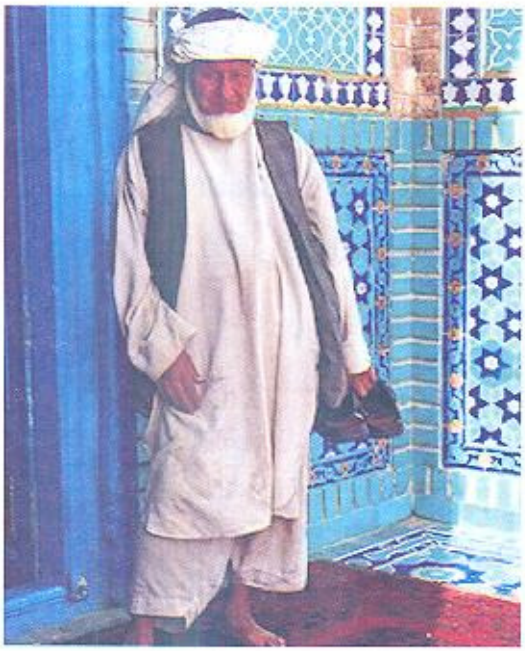

علامہ اقبال کا اسلامستان والا تصور کس طرح عملی ہو سکتا ہے۔ کیا اس سلسلے میں یورپی یونین کی مثال دی جا سکتی ہے۔ کیا اسلامی ممالک کے درمیان تجارتی اور صنعتی ترقی کے بغیر یورپی یونین کی طرز کا اتحاد وجود میں آسکتا ہے۔ یہاں پر مسلم امہ کے تصور کی نوعیت کیا ہوگی۔

اسی لئے تو او آئی سی بالکل ناکام تنظیم ہے اور حقیقت یہی ہے کہ وہ قومیں اکٹھی ہی اقتصادی اور تجارتی بنیادوں پر ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں

نے یورپی یونین بنائی ہے، اسی طرح آپ مسلم امہ کے تصور کو بھی بھول جائیں۔ صرف انسانی بنیادوں پر بات کریں۔ اقبال نے جب توحید کی تشریح کی ہے تو انسانی وحدت، انسانی مساوات اور انسانی آزادی کی بات کرتے ہیں۔ اس میں تو کفر و ایمان کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن اقبال بعض جگہ مومن اور کافر کی حدود اور اصطلاحات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس فرق کو نمایاں رکھنا چاہتے ہیں۔

بعض جگہ اقبال اپنی فارسی شاعری میں لکھتے ہیں کہ اگر تقلید اچھا عمل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے اور وہ اسلام نہ لاتے۔ دوسری طرف وہ مومن و کافر میں فرق بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی جبکہ دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہو عشق تو ہے کافر بھی مسلمان۔ شاعری کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اقبال نے جو دیو استبداد کی بات کی ہے اور کہا ہے کہ

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اب دیو استبداد تو اصل میں مغرب اور برطانوی امپیریل ازم تھا۔ اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ ایک طرح کا امپیریل ازم ہے۔ بہر حال شعر آپ کی زندگی کے تضادات کو بیان کرتا ہے اور زندگی ہے ہی ان تضادات پر مشتمل۔ مگر جب آپ معاشرے میں شناخت جیسے مسائل پر آتے ہیں اور اس تناظر میں ریاست کی بات بھی کرتے ہیں تو پھر آپ شاعری پر انحصار نہیں کر سکتے۔ پس اگر اقبال کے پیچھے چلنا ہے تو ان کے نثری آثار دیکھنا ہوں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہاں پر بھی جو اقبال کے تصورات ہیں وہ (مروجہ) مذہب کے بہت خلاف ہیں۔ خودی کا جو تصور انہوں نے پیش کیا ہے اس میں خدا کو بھی خودی قرار دیا ہے۔ خودی ہی سے خودیاں آگے آئی ہیں، پھر انسان کو اس مقام تک لے جانا کہ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے تو اس مقام پر خدا کا ہمہ کار انسان کو بنانا شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسری طرف ریاست کی جب شناخت اور پہچان کی بات آتی ہے تو وہاں ارتقا کا تصور آتا ہے۔ خود اقبال کا کہنا ہے کہ ہر چیز متحرک ہے کوئی بھی چیز ساکن نہیں ہے لہٰذا اس میں تقلید کا عنصر نہیں آ سکتا، اس لئے یہاں پر آپ نہیں کہہ سکتے ''مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی'' کیونکہ اگر بے تیغ لڑے گا تو مار کھائے گا۔ اقبال پر بھی کفر کے فتوے لگتے رہے ہیں۔

یورپ کے معاشرے میں جو مسلمان رہ رہے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اب بھی خود کو معاشرے کی مرکزی رو Mainstream سے جدا رکھے ہوئے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

وہاں شناخت کا سوال بالکل مختلف ہے۔ وہاں پر وہ اقلیت میں ہیں اور اپنی ایک الگ پہچان رکھنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ رہے۔ یہی چیز یہودیوں نے بھی کی تھی کیونکہ یہودیوں نے بھی ابتدائی طور پر ہماری طرح کی شناخت پر زور دیا تھا لیکن پھر انہوں نے ان کے نام بھی اپنا لئے۔ اب ان کے نام سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ یہودی ہیں یا

> شناخت آپ کی ثقافتی اور معاشرتی اقدار کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کا کوئی لباس نہیں ہے، اسلام کی کوئی زبان نہیں ہے یا کسی خاص نسل پر زور نہیں دیتا ہے۔

نہیں۔ وہ ان کی سوسائٹی میں جذب ہو چکے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکے۔ میں تو باہر جانے والے اپنے دوستوں کو یہی کہتا ہوں کہ اپنی عورتوں سے شادی کی بجائے ان کی عورتوں سے شادی کرو۔ میں بھی اگر یورپ میں ہوتا تو وہاں شادی کرنے کو ہی ترجیح دیتا یا میرے بعد والی نسل وہاں ہی شادی کرتی کیونکہ میں تو ان میں جذب ہونا پسند کرتا ہوں نہ کہ الگ تھلگ ہونا چاہتا ہوں۔ دیکھیں انسان کی دو جہات ہوتی ہیں ایک فزیکل کہ اگر آپ کہیں چلے جاتے ہیں تو وہ مثلاً ختم ہو سکتی ہے لیکن جو آپ کی روحانی اور معنوی شناخت ہے وہ ایک علیحدہ چیز ہوتی ہے جسے آپ چھپا کر بھی رکھ سکتے ہیں۔ شیعہ فقہ میں تقیہ کا تصور اس لئے بہت اچھا ہے۔ اس کا مطلب ہی اپنی شناخت کو برقرار رکھنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ایک وقت ایسا آئے گا جب ہیومن ازم کی بنیاد پر انسانیت کی ایک ہی شکل نکلے گی۔ اقبال بھی اپنے ختم نبوت کے نظریے میں یہی کہتے ہیں کہ انبیاء کی ضرورت اس لئے نہیں رہی کہ معاشرے کا عقلی ارتقا اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اب خدا اور آپ کا براہ راست تعلق ہے۔ اس میں اجتہاد بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے جہاں ہمیں عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔